© rasailojaraid.com

سید رئیس احمد جعفری مرحوم

سید عطاء اللہ شاہ بخاری - کچھ یادیں

سید رئیس احمد جعفری ------- مرحوم ہندوستان کے لیگی نہاد لکھاریوں میں امام الائمہ کے درجہ پر فائز تھے۔ عالم دین، مصنف، مترجم، صحافی، اردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں طاق---- لیکن افسوس تعصبات کے مسموم ماحول میں یوں کھو کر رہ گئے کہ قوم کو کوئی فکری سرمایہ منتقل نہ کر سکے۔ ان کا سرمایہ افتخار محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کی "امامت معصومہ" کا مناد و مفسر ہونا تھا اور بس! اس اعتبار سے دیکھا جائے تو زیر نظر مضمون کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ تاریخ کا تجزیہ کرنے والے اور تاریخ کی تذلیل کرنے والے دونوں کو اس مضمون کے بین السطور جھانکنے کی دعوت عام ہے!

ماخوذ "ٹام راج سے رام راج تک" صفحہ ۲۴۰ تا ۲۴۵ (ذوالکفل)

معجزہ اہل فکر فلسفۂ پیچ پیچ
معجزہ اہل ذکر موسیٰ و فرعون و طور

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے--- ہا!

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی !

لیکن یہ آب بقائے دوام کس کو ملا جو بخاری کو مل جاتا؟ جب احمد مرسل ﷺ نہ رہے کون رہے گا؟

مولانا بخاری بہت بڑے عالم نہیں تھے نہ مفسر نہ محدث، نہ فقیہ، نہ متکلم لیکن وہ بڑے انسان ضرور تھے، ان میں قلندرانہ صفات تھیں درویشانہ ادائیں اور فقیرانہ جلال!

مولانا سیاست کے میدان میں ایک سیاست داں کی طرح نہیں آئے تھے نہ انہیں ہندوستان کے آئندہ دستور سے دلچسپی تھی، نہ تحفظ حقوق مسلمین کے لیے وہ کانگریس سے لڑنے پر آمادہ تھے، نہ ہندو مسلم کشمکش سے انہیں کچھ زیادہ سروکار تھا وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ہر قیمت پر انگریز اس ملک سے نکل جائیں انگریزوں سے انگریزی سامراج سے، انگریزوں کی ہر چیز سے انہیں نفرت تھی۔ وہ کانگریس کی مسلم آزاری کو بھی اس لیے برداشت کرتے اور اس سے آمادہ تعاون ہو جاتے تھے کہ ان کے نزدیک وہ انگریزوں کو نکالنے کی جدوجہد کر رہی تھی، ان کا خیال تھا کہ جب تک انگریز اس دیس سے نہیں نکالے جاتے اس وقت تک نہ عالم اسلام آزاد ہو سکتا ہے، نہ یہ ملک۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ غیر مشروط طور پر ہر مخالف برطانیہ تحریک میں پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ شریک ہوئے۔ علی برادران جب تک کانگریس کے ساتھ تھے مولانا ان کے نیاز مند رفیق اور ہم قدم بنے رہے جب معلوم و معروف وجوہ سے انہوں نے کانگریس سے کنارہ کشی کی تو مولانا ان سے الگ ہو گئے، لیکن اس علیحدگی کا مطلب یہ نہ تھا کہ محمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی اور شوکت علی کے خلوص، حب وطن اور جذبہ ملی کے قائل نہ تھے، ضرور قائل تھے لیکن انہوں نے اپنے لیے جو راہ متعین کی تھی وہ دوسری تھی اور وہ اپنا سوچا سمجھا راستہ بدلنے کو تیار نہیں تھے۔

گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء میں جب اپنی ولولہ انگیز، حریت آفریں اور روح پرور مگر آخری تقریر کرنے کے بعد مولانا محمد علی اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو دلی کی جامع مسجد میں ایک مرتبہ نماز جمعہ کے بعد مولانا نے رو رو کر تقریر کی۔ آنسو ان کی آنکھوں سے جاری تھے۔ آواز بھرائی ہوئی تھی گریہ گلوگیر ہورہا تھا اور وہ تقریر کر رہے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے اس تقریر میں مولانا نے بڑے درد اور سوز کے ساتھ فرمایا تھا "محمد علی کا سا سپوت صدیوں میں کوئی ماں جنتی ہے" یہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور میں دعویٰ کرسکتا ہوں کہ مولانا کے بالکل یہی الفاظ تھے۔

مولانا کے یہ الفاظ ان کے خلوص اور سچائی کا آئینہ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وفات سے کچھ عرصہ پہلے مولانا محمد علی کے تعلقات مولانا بخاری سے اور نہ صرف مولانا بخاری سے، بلکہ جمعیت علماء ہند کے تمام اکابر سے کیونکہ سب کا مسلک یہی تھا۔ انتہائی تلخ اور کشیدہ ہوچکے تھے، تقریروں اور تحریروں میں نہایت سختی اور شدت کے ساتھ ایک دوسرے کے افکار و نظریات کا احتساب کیاجاتا تھا اور اس سختی اور شدت میں تلخی اور بدمزگی نمایاں طور پر جھلکتی تھی، مولانا محمد علی بھی کچھ کم نہ تھے، جس سے مخالفت ہوجاتی اس کی تحلیل اور تجزیہ میں وہ کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے چنانچہ انہوں نے "بخاری اور مسلم" موضوع پر جو کچھ کہا اور لکھا وہ تاریخ سیاست ہند کا نہایت دلچسپ باب ہے۔ لیکن اس شدید تلخی اور سخت اختلاف کے باوجود محمد علی مولانا بخاری کے خصائص امتیازات اور صفات کے قائل تھے اور اعتراف میں ذرا بھی بخل روا نہ رکھتے تھے مولانا بخاری ایک شعلہ بیاں اور آتش فشاں اور سحر طراز واعظ تھے وہ تقریر شروع کرتے تو بڑے سے بڑا مجمع خواہ مخالفوں کا کیوں نہ ہو دم بخود ہوجاتا، ان کی تقریر میں وہ روانی، وہ شگفتگی، وہ حلاوت اور وہ تاثیر تھی کہ جو لوگ مخالفت کا ارادہ کرکے جاتے وہ اس وقت چونکتے جب تقریر ختم ہوچکتی اور یہ تقریر مختصر نہ ہوتی۔ اگر اسے تقریر شبینہ کے نام سے یاد کیا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا وہ عشاء کے بعد تقریر شروع کرتے اور فجر کے وقت ختم کرتے۔ آندھی آئے، پانی برسے، قیامت تک کیوں نہ گزر جائے لیکن مولانا کے سامعین اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرتے، کسی کی آنکھ میں جادو تیرے بیان میں ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ انکی جادو بیانی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

لاہور کے ایک متعصب اور گندہ ذہن آریہ سماجی راجپال نے ایک انتہائی اشتعال انگیز کتاب "رنگیلا رسول" (نعوذ باللہ) لکھی اس کتاب نے سارے پنجاب میں تہلکہ مچادیا خاص طور پر لاہور تو میدان قیامت بن گیا۔ مزید ستم یہ ہوا کہ مقدمہ عدالت عالیہ میں گیا اور جسٹس دلیپ سنگھ نے راجپال کو بری کردیا۔ اس فیصلہ نے اور زیادہ قیامت برپا کردی "زمیندار" اور بعض دوسرے اخبارات نے "دلیپ سنگھ مستعفی ہوجاؤ" عنوان سے کئی مقالات لکھے نتیجہ یہ ہوا کہ ملت کے دو نام میں یہ لوگ ماخوذ اور سزا یاب ہوئے۔

مولانا محمد علی نے ہمدرد میں ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا جسکا عنوان تھا، قصور قاضی کا نہیں تھا قانون کا ہے، انہوں نے لکھا تھا کہ تعزیرات ہند میں ایسی کوئی مؤثر دفعہ موجود نہیں ہے جس کی رو سے راجپال جیسے مجرموں کو کیفر کردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک پہنچایا جائے، دلیپ سنگھ نے اگر سزا دے بھی دی ہوتی تو کوئی اور جج اسے رہا کر دیتا لہذا کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ تعزیرات ہند میں ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے جسکی رو سے بزرگان دین کی توہین کرنے والے کو مستوجب سزا قرار دیا جائے۔

محمد علی کے اس مضمون نے اور زیادہ آگ لگادی ان پر الزام لگایا گیا کہ چونکہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں دلیپ سنگھ ان کے ہم درس رہے ہیں لہذا وہ ان کا ساتھ دے رہے ہیں یہ بات بالکل غلط تھی محمد علی ان لوگوں میں تھے کہ خود بقول انکے اگر شوکت بھی حق کے خلاف قدم اٹھائیں تو میں پستول میں دو گولیاں بھروں گا ایک سے شوکت کا کام تمام کروں گا دوسری اپنے مار لوں گا۔ کیونکہ ان کے بعد زندہ رہنا میرے لیے بیکار ہے، بھلا ایسا شخص اتنے بڑے اور اہم معاملہ میں انتہائی مذہبی، بلکہ مذہبی مجنوں ہونے کے باوجود کس طرح دلیپ سنگھ کا ساتھ دے سکتا تھا؟ بات وہی ٹھیک تھی جو انہوں نے لکھی تھی چنانچہ بعد میں تعزیرات ہند میں ایک ایسی دفعہ کا اضافہ بھی کیا گیا۔ غرض سارا لاہور محمد علی کے خلاف بھرا ہوا تھا اسی حالت میں وہ لاہور گئے اور ایک جلسہ عام میں تقریر کی اور اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ محمد علی کا یہ مستقل عقیدہ تھا کہ قائد کو رائے عامہ کے بہاؤ میں نہیں بہنا چاہیئے، بلکہ اسکی تشکیل کرنی چاہیئے اور اپنی ہر دلعزیزی کی بھینٹ دے کر وہ اسی پر عمل پیرا بھی ہوتے تھے اور بالآخر کامیاب بھی ہوتے تھے۔

اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، جو لوگ محمد علی کو قتل کرنے آئے تھے وہ محمد علی زندہ باد کے نعرے لگاتے واپس گئے۔

اس جلسہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک بڑی اثر انگیز اور معرکہ آرا تقریر کی (جادہ بیانی اور سحر طرازی کی پوری شان کے ساتھ) مولانا محمد علی نے انہیں گلے لگالیا، اور کہا "تمہاری یہ سحر بیانی اللہ کی دین ہے لیکن یہ یاد رکھو، یہ دو دھاری تلوار ہے جس طرح یہ حق کے لیے چل سکتی ہے اسی طرح باطل کے لیے بھی چل سکتی ہے اور ہزاروں لوگ جو تم سے متاثر ہونگے، تمہارا ساتھ دیں گے ان کی ذمہ داری صرف تم پر ہوگی خبردار اس جوہر کا غلط استعمال کبھی نہ کرنا"

مولانا اپنے راستہ پر چلتے رہے، پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ان کے قدم آگے کی طرف بڑھتے رہے۔ انہیں نہ محمد علی سے غرض تھی، نہ مجلس خلافت سے، نہ وہ قائد اعظم سے واسطہ رکھتے تھے نہ مسلم لیگ اور اسکے اغراض و مقاصد اور منزل مقصود سے وہ جب ضرورت دیکھتے ان سب سے الجھ بھی پڑتے، وہ اپنی دھن میں مست تھے وہ انگریزوں کے اخراج سے پہلے کچھ سوچنا نہیں چاہتے تھے۔

لیکن جب انگریز اس دیس سے نکلے تو مولانا کو بھی اپنے وطن سے نکلنا پڑا، وہ اپنے وطن میں نہ رہ سکے، جہاں کی فضائیں ان کی شعلہ مقالی سے لرزتی رہتی تھیں، جہاں کے در و دیوار ان کی آتش نوائی سے گونجا کرتے تھے جہاں کے بام و ایوان ان کے زورِ سخن سے کانپا کرتے، جہاں انہوں نے دکھ جھیلے تھے، تکلیفیں اٹھائی تھیں، اذیتیں برداشت کی تھیں، سجن و زنداں کو لبیک کہا تھا، اور دار و رسن کے لیے آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ وہی سرزمین، وہی فضائیں، وہی در و دیوار، اور وہی بام و ایوان ان سے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے اب یہ تمہارا وطن نہیں ہے اب یہ تمہاری سرزمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے اب تم یہاں اجنبی ہو، اب تم یہاں بدیسی ہو، چلے جاؤ، نکل جاؤ، بھاگ جاؤ، ورنہ تمہارے جسم وجان کا رشتہ منقطع کردیا جائیگا۔

مولانا کے پاس کیا تھا؟ قلندر جز دو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا۔ لکڑی ہاتھ میں لی، پوٹلی بغل میں دابی، اور بے وطن ہو کر لاہور آگئے، پھر ملتان چلے گئے اور اب وہاں کے سفر پر روانہ ہوئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

مولانا بہرحال ہمارے تھے، اختلاف فکر و نظر کے باوجود ہمارے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال پر ہر مسلمان رویا اور ان رونے والوں میں بہت بڑی اکثریت انکی تھی جو ان سے نظریاتی اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن کتنے تعجب، کتنی حیرت اور کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہندوستان کی لوک سبھا نے رنج وافسوس کا ایک لفظ بھی نہ کہا۔ کیا پنڈت نہرو مولانا کو بھول گئے؟ کیا کانگریس نے مولانا کو فراموش کردیا؟ اس قدر جلد؟ جبکہ انکی حریت ماب اور سامراج شکن تقریروں کی صدائے دل پذیر اب بھی ہندوستان کی ہر گلی اور ہر کوچہ میں گونج رہی ہے۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

قارئین متوجہ ہوں

بخاری اکیڈمی کی فخریہ پیشکش "مولانا محمد گل شیر شہید سوانح وخدمات" کے بعد اسی مؤلف کے قلم سے دو اہم تاریخی دستاویزات عنقریب منظرِ عام پر آرہی ہیں۔

۱۔ تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ (۱۹۳۹ء)
۲۔ تحریک کشمیر (۱۹۳۱ء)

جملہ کارکنانِ احرار وقارئین نقیب سے گزارش ہے کہ:

(۱) جن احباب کے پاس ان دو موضوعات کے متعلق مواد موجود ہو،
(۲) یا اپنی یادداشتوں میں تحریکات کے بارے میں حالات وواقعات کا ذخیرہ رکھتے ہوں،
(۳) کسی شاعر کی کوئی نظم،
(۴) یا متعلقہ تصاویر ومضامین موجود ہوں اولین فرصت میں ارسال فرمائیں انہیں شکریہ کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔

دستاویزات اصل حالت میں بھیج دیں یا ان کی فوٹوسٹیٹ کاپی روانہ کریں۔ تصاویر اصل بھیجیں ان شاء اللہ استفادہ کے بعد مکمل حفاظت کے ساتھ واپس کی جائیں گی۔

رابطہ

ناظم گل شیر شہید اکیڈمی۔ فاروق دواخانہ مین بازار تلہ گنگ، ضلع چکوال

© rasailojaraid.com